Fikr-o-Nasar (Islamabad) 5:2 (1967)

تشکیل قوانینِ اسلامی کے تاریخی مراحل

مفتی امجد العلی، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی

(۲)

ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے: وکان السلف یستخرجونہا من تلک الادلۃ علی اختلاف فی ما بینھم ولا بد من وقوعہ ضرورۃ انّ الادلۃ غالبہا من النصوص وھی بلغۃ العرب وفی اقتضائات الفاظہا لکثیر من معانیہا اختلاف بینھم معروف وایضاً فالسنۃ مختلفۃ الطرق فی الثبوت وتتعارض فی الاکثر احکامہا فتحتاج الی الترجیح وھو مختلف ایضاً فالادلۃ من غیر النصوص مختلف فیہا۔ وایضا فالوقائع المتجددۃ لا توفی بہا النصوص وما کان منہا غیر ظاہر فی المنصوص فیحمل علی المنصوص لمشابہۃ بینہما، و ھذہ کلہا اشارات للخلاف ضروریۃ الوقوع، ومن ھٰہنا وقع الخلاف بین السلف والآئمۃ من بعدھم۔

اور سلف ان ادلہ سے مسائل کا استخراج مختلف احکامات کی شکل میں کرتے، اور اس اختلاف کا ان کے درمیان واقع ہونا ایک لازمی امر تھا۔ کیونکہ احکام کے دلائل زیادہ تر نصوص شرعیہ ہوتیں، اور یہ بلکہ عربی زبان میں تھیں، اور ان نصوص کے الفاظ بہت سے معانی کے مقتضی تھے اور اس بارے میں ان کا اختلاف مشہور ہے۔ پھر سنت اپنے ثبوت میں مختلف درجات رکھتی تھی۔ اور اس کے اکثر احکام میں تعارض نظر آتا تھا، جس کی وجہ سے ترجیح کی ضرورت ہوتی اور پھر ترجیح کے طریقے بھی مختلف تھے، اور ظاہر ہے کہ جو ادلہ نصوص کے علاوہ ہوں، ان میں بھی اختلاف ہونا چاہئے۔ پھر آئے دن واقعات نو بہ نو وجود میں آرہے تھے جن کے احکام پر نصوص پورے طور پر حاوی نہ تھے۔ چنانچہ ان میں جو معاملہ منصوص نہ ہوتا اس کو کسی دوسرے منصوص پر مشابہت کے ذریعہ محمول کیا جاتا۔ یہ تمام ایسے امور ہیں جو اس اختلاف کی طرف

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

اشارہ کرتے ہیں، جن کا ان کے درمیان واقع ہونا ضروری تھا۔ اور یہی سلف اور ائمہ کے درمیان میں خلاف کا سبب ہوا۔ مقدمہ ابن خلدون محولہ بالا ص۴۴۵۔

نیز ص۴۵۴ پر ابن خلدون لکھتے ہیں :۔

وذلك ان استفادة المعاني على الاطلاق من تراكيب الكلام على الاطلاق يتوقف على معرفة الدلالات الوضعية مفردة ومركبة والقوانين اللسانية في ذالك هو علوم النحو والتصريف والبيان وحين كان الكلام ملكة لاهله لم تكن هذه علوماً ولا قوانين ولم يكن الفقه حنيئذ يحتاج اليها لانها جبلة وملكة

اور یہ اس وجہ سے کہ کلام کے الفاظ کی ترکیب سے معانی کا مطلقاً استفادہ الفاظ مفردہ ومرکبہ کی وضعی دلالتوں کی معرفت پر موقوف ہوتا ہے۔ اور زبان کے ایسے قوانین جن سے یہ علم حاصل ہو سکے، علم نحو و علم صرف وعلم البیان سے حاصل ہوتے ہیں، لیکن جو خود اہل لسان ہو، اس میں ایک قدرتی ملکہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے ایسا شخص (کلام کے معانی) سمجھنے کے لئے ان علوم کے قواعد و قوانین کا محتاج نہیں ہوا کرتا۔ اور فقہ بھی اس وقت ان اصول کی محتاج نہ تھی اس لئے کہ ان حضرات میں پیدائشی طور پر کلام کی تفہیم کا ملکہ موجود تھا

خلاصہ تقریر یہ کہ صحابہ کرام کے قضایا اور فتاوی کو اصول فقہ کی کسی اصل کے تابع کرنا یہ درحقیقت ہماری اپنی کوشش ہوگی۔ چنانچہ اس کی توضیح کے لئے ہم حضرت عمرؓ کے اعمال و قضاء پیش کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں جب عراق وشام اور ان کے تمام اطراف فتح ہوئے، اس وقت صحابہؓ کی ایک تعداد کی یہ رائے تھی کہ خمس نکالنے کے بعد ان تمام فتوحات کے غنائم کو فاتحین مجاہدین پر تقسیم کر دیا جائے، اور خمس ان مصارف شرعیہ پر صرف کیا جائے جو پہلے سے معروف ہیں جیسا کہ سورۃ انفال میں ارشاد ہوا ہے : واعلموا انما غنمتم من شيء فان لله خمسه وللرسول ولذي القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل۔ خوب سمجھ لو کہ جو غنیمت تم کو حاصل ہو، اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور ذی القربیٰ و یتامیٰ و مساکین ومسافرین کا ہوگا

اور ما بقی غنیمت حاصل کرنے والے مجاہدین پر تقسیم ہونا چاہئے۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی یہی تھی۔ چنانچہ خیبر کی فتح کے بعد جو کچھ اموال غنیمت میں حاصل ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے خمس نکالنے کے بعد باقی غنیمت کو مجاہدین میں تقسیم فرما دیا تھا[1] لیکن عراق وشام کے

---

[1] الخراج یحیٰ بن آدم ص۲۰

غنائم کے متعلق حضرت عمرؓ کی رائے یہ نہ تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ زمین کو اس کے سابقین کے قبضہ ہی میں رہنے دیا جائے اور ان پر خراج مقرر کیا جائے، اور جو خراج کی آمدنی ہو، عامۃ المسلمین کے مصالح پر صرف ہو۔ خواہ وہ مجاہدین میں سے ہوں یا نہ ہوں اور یہ سلسلہ آئندہ اسی طرح جاری رکھا جائے۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ نے اپنی کتاب الخراج میں حضرت عمرؓ کا یہ استدلال اس طرح نقل فرمایا ہے:۔

فکیف بمن یأتی من المسلمین فیجدون الارض قد اقتسمت و ورثت عن الاباء وحیزت ما ھذا برأی فقال عبد الرحمٰن بن عوف فما الرأی ما الارض والعلوج الا مما افاء اللّٰہ علیھم فقال عمرؓ ما ھو الا کما تقول ولست اری ذلک واللّٰہ لا یفتح بعدی بلدٌ کبیر نیل بل عسی ان یکون کلاً علی المسلمین فاذ قسمت ارض العراق لعلوجھا وارض الشام لعلوجھا فما یسد بہ الثغور وما یکون للذریۃ والارامل بھذ البلد ولغیرہ من اھل الشام والعراق فاکثروا علی عمرؓ وقالوا اتقف ما افاء اللّٰہ علینا باسیافنا علی قوم لم یحضروا ولم یشھدوا ولابناء القوم ولابناء ابنائھم ولم یحضروا فکان عمر رضی اللّٰہ عنہ لا یزید علی أن یقول ھذا رأی قالوا فاستشر قال فاستشار المھاجرین الاولین فاختلفوا فاما عبد الرحمٰن بن عوف فکان رأیہ أن تقسم لھم حقوقھم ورأی عثمان وعلی وطلحۃ وابن عمر رضی اللّٰہ عنھم رأی عمر فارسل الی عشرۃ من الانصار وخمسۃ من الاوس وخمسۃ من الخزرج من کبرائھم واشرافھم فلما اجتمعوا حمد اللّٰہ واثنی علیہ بما ھو اھلہ ثم قال انی لم ازعجکم الا لان تشترکوا فی امانتی فیما حملت من امورکم فانی واحد کاحدکم وانتم الیوم تقرون بالحق خالفنی من خالفنی ووافقنی من وافقنی ولست ارید أن تتبعوا ھذا الذی ھوای معکم من اللّٰہ کتاب ینطق بالحق فواللّٰہ لئن کنت نطقت بامر ارید لا ما ارید بہ الا الحق قالوا قل نسمع یا امیر المومنین۔ قال قد سمعتم کلام ھؤلاء القوم الذین زعموا انی اظلمھم حقوقھم وانی اعوذ باللّٰہ ان ارکب ظلماً لئن کنت ظلمتھم شیئاً ھو لھم واعطیتہ غیرھم لقد شقیت ولکن رأیت انہ لم یبق شئ یفتح بعد ارض کسری وقد غنمنا اللّٰہ اموالھم وارضھم وعلوجھم فقسمت ما غنموا من اموالٍ بین اھلہ واخرجت الخمس فوجھتہ علی وجھہ وانا فی توجیھہ وقد رأیت أن احبس الارضین لعلوجھا واضع علیھم فیھا الخراج وفی رقابھم الجزیۃ یؤدونھا فتکون فیئاً

للمسلمين المقاتلة والذرية ولمن يأتي من بعدهم أرأيتم هذه الثغور لابد لها من رجال يلزمونها أرأيتم هذه المدن العظام كالشام والجزيرة والكوفة والبصرة ومصر لابد لها تشحن بالجيوش وادرار العطاء عليهم فمن این یعطی هؤلاء اذا قسمت الارض والعلوج فقالوا جميعاً الرأي رأيك فنعم ما قلت وما رأيت الخ [1]

پس ان کا کیا ہوگا جو ہمارے بعد آئیں گے۔ وہ زمین کو تقسیم شدہ اور آباؤ اجداد سے وراثت میں آئی ہوئی اور مقبوضہ پائیں گے۔ میری یہ رائے نہیں۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا تو پھر آپ کی رائے کیا ہے۔ یہ زمین اور کفار اللہ نے ہمیں (مال غنیمت میں) دیئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ بات یہی ہے جو تم نے کہی اور میری یہ رائے نہیں۔ خدا کی قسم میرے بعد بڑے فائدے والے شہر فتح نہیں ہوں گے۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے لئے بار ہوں۔ پس اگر عراق کی زمین مع اس پر کام کرنے والے کفار کے تقسیم ہوگئی اور شام کی زمین مع اس پر کام کرنے والے کفار کے تقسیم ہوگئی تو سرحدوں کی حفاظت کا کیا ہوگا۔ اور اس شہر اور اس کے علاوہ اہلِ شام و عراق کے بال بچوں اور بیواؤں کا کیا ہوگا۔ لوگ حضرت عمرؓ پر زور ڈالتے رہے اور ان سے انھوں نے کہا جو (مال غنیمت) اللہ نے ہماری تلواروں کے ذریعہ ہمیں دیا ہے، تم اُسے اُن لوگوں کے لئے رکھ رہے ہو جو ان جنگوں میں موجود نہ تھے۔ اور ان لوگوں کے بیٹوں اور بیٹوں کے بیٹوں کے لئے رکھ رہے ہو، جو ان جنگوں میں موجود نہ تھے حضرت عمرؓ اس سے زیادہ نہیں کہتے تھے کہ میری رائے یہی ہے انھوں نے کہ پھر تم مشورہ کرو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے مہاجرین اوّلین سے مشورہ کیا۔ اور ان میں باہم اختلاف ہوگیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف کی رائے تھی کہ (مجاہدین پر) ان کے حقوق ان پر تقسیم کر دیئے جائیں اور عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ اور ابن عمرؓ کی رائے عمرؓ کی رائے کی تائید میں تھی پس حضرت عمرؓ نے دس انصاری پانچ اوس اور پانچ خزرج سے جو ان کے بڑوں اور اشراف میں سے تھے، بلوا بھیجے۔ جب وہ جمع ہوئے، حضرت عمرؓ نے اللہ کی حمد و ثنا کی جیسا کہ اس کا حق تھا۔ پھر کہا میں نے تم کو یہ زحمت اس لئے دی ہے کہ تمہارے امور میں سے جو امانت مجھے سونپی گئی ہے، اس میں تم میرے ساتھ شریک ہو۔ میں تم میں سے ایک ہوں اور تم آج حق کا اقرار کرنے والے ہو۔ بعض نے میری مخالفت کی ہے اور بعض نے مجھ سے اتفاق کیا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تم اس بات کی پیروی کرو جو محض میری خواہش ہو۔ تمہارے پاس اللہ کی کتاب ہے جو ناطق بالحق ہے اور خدا کی قسم اگر میں نے کوئی بات کہی ہے، جسے میں

---

[1] کتاب الخراج لابی یوسف مطبوعہ مصر ۱۳۰۲ھ مطبع میریا صد ۱۴

چاہتا ہوں، تو میں اسے حق کے لئے چاہتا ہوں۔ انھوں نے کہا۔ اے امیرالمومنین کہیئے۔ ہم سنتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا تم نے ان لوگوں کی بات سنی جو یہ گمان کرتے ہیں کہ میں ان کے حقوق کے معاملے میں ان سے ظلم کر رہا ہوں اور میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں کوئی ظلم کروں۔ اگر میں نے کسی چیز کے بارے میں جو اُن کی تھی، ظلم کیا ہوتا اور ان کے سوا اسے دوسروں کو دے دیتا، تو یہ میری بدبختی ہوتی۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ کسریٰ کے ملک کے بعد کچھ نہیں رہا جو فتح ہو۔ اور اللہ نے ہمیں ان کے اموال، ان کی زمین اور اس پر کام کرنے والے کفار غنیمت میں دیئے ہیں۔ پس میں نے انھوں (مجاہدین) نے جو مال غنیمت حاصل کیا تھا، ان پر اسے تقسیم کر دیا۔ اور اس میں سے پانچواں حصہ نکال لیا اور میں نے اسے ٹھیک طرح نمٹا دیا، اور میری رائے یہ ہے کہ زمینوں کو مع ان پر کام کرنے والے کفار کے روک لوں (اور انہیں مجاہدین پر تقسیم نہ کروں) ان زمینوں پر خراج لگاؤں اور اُن لوگوں پر جزیہ کہ وہ اسے ادا کریں۔ پس یہ مسلمانوں کے لئے، ان کے لڑنے والوں، ان کی اولادوں اور جو اُن کے بعد آئیں گے، اُن سب کے لئے آمدنی ہوگی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ان سرحدوں کے لئے آدمی چاہئیں، جو وہاں رہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ بڑے بڑے علاقے شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ اور مصر ہیں، ان میں فوجیں رکھنا ضروری ہے۔ اور ان فوجوں کو عطیے دینا ہیں۔ اور اگر زمین اور اس پر کام کرنے والے کفار (ان مجاہدین پر) تقسیم کر دیئے گئے، تو ان فوجوں کو کہاں سے عطیات دیئے جائیں گے (یہ سن کر) سب نے کہا۔ وہی رائے ہے، جو آپ کی ہے۔ اور جو کچھ آپ نے کہا اور رائے دی، وہی ٹھیک ہے۔

غرض اس معاملے میں حضرت عمرؓ نے ایک رائے قائم فرمائی، جس میں اس مصلحت کو بھی بیان فرمایا جس کی بنا پر آپ نے یہ رائے قائم کی تھی۔ جو بظاہر کتاب وسنت دونوں کے مخالف تھی اور جو آپ کی رائے کے مخالف تھے ان صحابہ کے قول کے قرآن وسنت دونوں واضح طور پر موافق تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ کی جہاں نظر پہنچی مخالف جماعت کی نظر وہاں نہ پہنچی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی رائے کی حجت میں کتاب اللہ کی آیات کو سلسلہ وار پیش کرتے ہوئے آخر میں اپنے قول کی تائید میں جو آیت تلاوت کی، وہ یہ ہے:-

والذین جاؤا من بعدھم یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان، ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا، ربنا انک الرؤف الرحیم

اور جو لوگ ان سب کے بعد آئیں گے، کہیں گے کہ ہمارے پروردگار ہم کو اور ہمارے سابق الایمان بھائیوں کو بخش دے اور ایمان والوں کے لئے ہمارے دلوں میں کھوٹ نہ پیدا فرما۔ اے ہمارے پروردگار

آپ مہربان رحم کرنے والے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا:-

فکانت ھذہ عامۃ لمن جاء بعدھم۔ فقد صار ھذا الفئ بین ھؤلاء جمیعاً فکیف نقسمہ لھؤلاء وندع من تخلف بعدھم بغیر قسم ؛ فاجمع علی ترکہ وجمع خراجہ

چنانچہ یہ حصّہ آیت کا تمام بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے عام ہے۔ لہذا یہ غنیمت ان سب کا حق ہوگئی پھر ہم صرف موجود لوگوں میں تقسیم کر کے بعد کے آنے والوں کو کس طرح نظر انداز کر دیں کہ ان کو کچھ نہ ملے لہذا حضرت عمرؓ نے اس اراضی کو اسی طرح چھوڑنے اور خراج کے وصول کرنے کا پختہ عزم فرمالیا۔

اس واقعہ سے دو امر کا انکشاف ہوا۔ ایک یہ کہ ایک مجتہد و فقیہہ کی نظر کبھی ایسے مقام تک پہنچ جاتی ہے جہاں دوسرے کی نظر کی رسائی نہیں ہوتی۔ دوم یہ کہ گو حضرت عمرؓ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عمل موجود تھا جو آپ نے خیبر کی اراضی کے بارے میں کیا تھا۔ لیکن عامۃ المسلمین کی مصلحت کے پیش نظر انھوں نے اس پر کفایت نہ کی اور نہ یہ خیال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عمل دائمی طور پر مابعد کے لئے قطعی فیصلہ ہے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ تغییر الاحکام بتغیر الازمان تبعا لعللھا، للمصالح والحقیقۃ المشروعۃ۔

چور کی سزا کا کتاب اللہ میں صریح حکم سورۂ مائدہ کی اس آیت میں اس طرح دیا گیا ہے والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزاء بما کسبا نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ جہاد کے موقع پر چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ ترمذی کتاب الحدود صـ۱۸۸ مطبوعہ مجیدی میں ہے، عن بسر ابن ارطاۃ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یقطع الایدی فی الغزو۔ یہ حدیث ابوداؤد میں بھی اسی معنی میں مروی ہے لیکن اس میں "فی الغزو" کے بدلے "فی السفر" روایت کیا گیا ہے۔ یہ حدیث صرف اس پر دلالت کرتی ہے کہ دشمن سے قتال کی حالت میں اگر کسی سے چوری کا فعل صادر ہو تو ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ لیکن بعد میں فقہاء اُمت نے اس حکم کو اس حد تک محدود نہ رکھا بلکہ حکم دیا کہ چوری پر دار حرب یعنی دار کفر میں بھی قطع ید نہ ہوگا۔ اسی طرح شراب پینے کی حد بھی وہاں جاری نہ ہوگی۔ امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں فرمایا ہے: لا ینبغی ان تقام الحدود فی المساجد وفی ارض العدو، وحدثنا الاعمش عن ابراھیم عن علقمۃ قال غزونا ارض

الروم ومعنا حذیفۃ وعلینا رجل من قریش فشرب الخمر فاردنا ان نحدّہ فقال حذیفۃ تحدون امیرکم وقد دنوتم من عدوکم فیطمعون فیکم، وبلغنا ایضاً ان عمر رضی اللہ عنہ امر امراء الجیوش والسرایا ان لا یجلدوا احداً حتّٰی یطلعون من الدرب قافلین۔

یہ مناسب نہیں کہ مساجد اور دشمن کی زمین میں حدود قائم کی جائیں۔ حضرت علقمہ سے ہم تک مروی ہو کر پہنچا۔ فرمایا ہم نے روم میں ایک مرتبہ جہاد کیا۔ اس موقع پر حضرت حذیفہ ہمارے ہمراہ تھے۔ اور ایک قریشی شخص ہمارا امیر لشکر تھا۔ اس نے شراب پی لی۔ ہم نے اس پر حد جاری کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ تم لوگ دشمن سے قریب اس کے ملک میں ہو، ایسی حالت میں کیسے حد جاری کروگے تاکہ تمہارے اندر دشمن کو موقع حاصل ہو جائے اور ہم کو یہ روایت بھی پہنچی ہے کہ حضرت عمرؓ نے افواج کے سرداروں کو یہ حکم دیا تھا کہ جب تک دشمن کی سرزمین سے واپسی نہ ہو جائے اس وقت تک کسی پر حد جاری نہ کریں۔ کتاب الخراج مطبوعہ مصر ص۱۰۹ مطبع میریہ ۱۳۰۲ھ۔

نیز الرد سیر الاوزاعی مطبوعہ حیدر آباد دکن میں ہے :-

حدثنا بعض اشیاخنا عن ثور بن یزید عن حکیم بن عمیر ان عمر رضی اللہ عنہ کتب الی عمیر بن سعد الانصاری رضی اللہ عنہ والی عمالہ الا یقیموا احداً من المسلمین فی ارض الحرب حتّٰی یخرجوا الی ارض المصالحۃ۔

حکیم بن عمیر سے منقول ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمیر بن سعد انصاری کو تحریر فرمایا تھا نیز دیگر امراء کو بھی کہ دار حرب میں کسی مسلمان پر حد جاری نہ کی جائے۔ جب تک کہ وہ دار اسلام میں واپس نہ آجائیں۔

اس کے ساتھ ہی امام موصوف نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے۔

اخبرنا بعض اشیاخنا عن مکحول عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انہ قال لا تقام الحدود فی دار الحرب مخافۃ ان یلحق اھلھا بالعدو والحدود فی ھذا کلہ سواء۔ مکحول نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا دشمن کی زمین میں حد نہ قائم کی جائے۔ اس سے یہ خوف ہے کہ کہیں محدود دشمن کے ساتھ نہ شامل ہو جائے۔ اس حکم میں تمام حدود برابر درجہ رکھتی ہیں۔

مذکورہ منقولات سے یہ واضح ہوا کہ بعض مصالح اتنے اہم ہوتے ہیں جن کی بنا پر احکام منصوصہ میں ان کی علل پر غور کرنے کے بعد تغیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ مذکورہ صدر روایات سے یہ ثابت ہے کہ صحابہ کرام

خصوصاً حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالت قتال یا حالت سفر میں جس سے مراد یہی حالت جہاد ہے۔ چور کے قطع ید سے منع فرمانے کی علت کیا ہے؟ انھوں نے یقینی طور پر اس حکم کو اس مصلحت پر مبنی پایا کہ اس حدود کا اس موقع پر قائم کرنا کہیں محدود کے کفار کے ساتھ لاحق ہونے اور شیطانی حمیت کا سبب نہ ہو اور اس طرح دشمن کو ایسا کوئی موقع ہاتھ نہ آئے جس سے وہ مسلمانوں کے مقابلے میں کسی قسم کا کوئی فائدہ حاصل کر سکے۔ حد کے سقوط کے ان حضرات کے نزدیک یہ معنی نہ تھے کہ سرقہ سرقہ نہ رہا، یا زنا زنا نہ رہا، یا شراب نوشی شراب نوشی نہ رہی، یا قذف قذف نہ رہا، یا ان تمام مسائل میں حد کے ساقط ہونے کی بنیاد الحدود تندرئ بالشبہات پر تھی۔ مثلاً سرقہ اگر حالت مجاعۃ (محط سالی) میں واقع ہو تو اس میں قطع ید کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ سرقہ اپنے تمام مخصوص قیود و شرائط کے ساتھ وجود میں آنے کے بعد سرقہ نہیں رہتا اور اس بنا پر سارق سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ فقہاء احناف نے سرقہ کی حسب ذیل تعریف کی ہے:۔

بل السرقۃ التی علق بہا الشرع وجوب القطع ھی اخذ العاقل البالغ عشرۃ دراھم او مقدارھا خفیۃ عمن ھو متصد للحفظ مما یتسارع الیہ الفساد من المال متمول للغیر من حرز بلا شبہۃ۔

وہ چوری جس پر شریعت نے قطع ید کا حکم دیا ہے اس کی یہ تعریف ہے کہ ایک عاقل بالغ شخص دس درہم یا اس کی مقدار کا مال کسی محفوظ جگہ سے خفیہ طور پر حاصل کرے اور یہ مال باقی رہنے والا ہو۔ (خراب ہو جانے کی چیز نہ ہو) جس کو حاصل کر کے انسان مالدار بننے کا تصور کرتا ہے اور اس مال کے لینے میں کسی قسم کے حق کا شبہ بھی نہ موجود ہو۔ فتح القدیر جلد ۴ مطبوعہ مصر ص ۲۱۹۔ اس تعریف میں صاحب بحر الرائق نے مزید قیود کا اضافہ کر کے فرمایا ہے۔

ھی اخذ مکلف ناطق بصیر صاحب ید لیسری ورجل یمنی صحیحتین عشرۃ دراھم جیاد او مقدارھا مقصودۃ ظاھرۃ الاخراج خفیۃ من صاحب ید صحیحۃ مما لا یتسارع الیہ الفساد من المعمول للغیر من حرز بلا شبہۃ وتاویل فی دار العدل۔

چوری یہ ہے کہ ایک مکلف صاحب بصیرت و گویائی اور جس کا بایاں ہاتھ اور داہنا پاؤں سالم ہوں، عمدہ کھرے قسم کے دس درہم یا اس کی مقدار قصداً خفیہ طریقہ پر مقام محفوظ سے ظاہر طریقہ پر باہر لے

آئے جس کو ایسے شخص سے حاصل کیا گیا ہو جو اس مال کا صحیح مالک تھا۔ مال جلد فاسد ہونے والا نہ ہو۔ اور نہ اس مال میں کسی شبہ اور تاویل کی گنجائش ہو۔ مقام دار عدل ہو۔ (بحر الرائق جلد ۵ صہ ۵۵ مطبوعہ مصر)

ان مذکورہ تعریفوں کے پیش نظر اگر کوئی شخص اس طرح چوری کرے جس میں یہ تمام شروط و قیود مکمل طور پر موجود ہوں تب بھی حکم یہی ہے کہ اس کا قطع ید نہ ہوگا۔ اس لئے یہاں ہاتھ نہ کاٹے جانے کا حکم ضرورت اور مصلحت عامہ کے پیش نظر دیا گیا ہے۔ حکم کا تعلق سرقہ کی شروط و قیود کے وجود اور عدم وجود کی بنا پر نہیں ہے۔ چنانچہ خود صاحب فتح القدیر نے اس کی تصریح کرتے ہوئے فرما دیا ہے:۔

والقطع فی الحنطة وغیرھا اجماعاً انما ھو فی غیر سنة القحط واما فیھا فلا سواء کان مما یتسارع الیه الفساد اولا لانه عن ضرورة ظاھر اً وتبیح التناول

اور چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم گیہوں وغیرہ میں اجماعاً اس وقت ہے جبکہ قحط سالی کا موقعہ نہ ہو۔ لیکن اگر قحط سالی کا زمانہ ہو تو مال خواہ کسی طرح کا ہو، چور پر حد جاری نہ ہوگی کیونکہ اس وقت ضرورت ظاہر ہے جو مال کو لینا مباح کر دیتی ہے۔ جلد ۴ صہ ۲۲۹۔ اور صاحب بحر الرائق نے بھی یہی تصریح کی ہے۔ فرمایا ہے: وفی الظھریة وغیرھا والقطع فی الحنطة وغیرھا اجماعاً انما ھو فی غیر سنة القحط اما فیھا فلا سواء کان مما یتسارع الیه الفساد اولا لانه عن ضرورة ظاھر اوھی تبیح التناول۔ فتاوی ظہریہ وغیرہ میں ہے کہ گیہوں وغیرہ میں قطع ید اجماعاً اس وقت ہوگا جب قحط سالی نہ ہو۔ لیکن قحط کی حالت میں قطع نہ ہوگا خواہ کسی قسم کا مال کیوں نہ ہو، اس لئے کہ اس حالت میں ضرورت ظاہر ہوتی ہے جو اباحت کا سبب ہو جاتی ہے۔

اسی طرح صاحب مبسوط سرخسیؒ نے قحط کے وقت عدم قطع ید کی دلیل بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ وقیل المراد لا قطع فی عام السنة وھی زمان القحط لان الضرورة تبیح التناول من مال الغیر لقدر الحاجة فیمنع ذلك وجوب القطع۔ کہا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ قحط سالی میں قطع ید نہ ہوگا۔ اس لئے کہ ضرورت دوسرے کے مال کو اپنی حد تک مباح کر دیتی ہے۔ اس وجہ سے قطع روک دیا جائے گا چنانچہ ان حضرات نے بالاتفاق قحط کے موقع پر چور کا ہاتھ نہ کاٹنے کی علت ضرورت و مخمصہ کو بیان فرمایا ہے یہ نہیں کہ چور کی چوری پر سرقہ کے معنی اس حالت میں صادق نہیں آتے۔ مذکورہ تین ائمہ کی منقولہ عبارتوں پر اگر وقت نظر سے کام لیا جائے تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس موقع پر حکم دو ہیں قطع ید نہ ہونا اور حرام مال

جس سے غیر کا حق متعلق ہے اور زمانہ فراخی میں اس کا لے لینا حرام ہے، اس کا مباح ہو جانا۔ اور ان دونوں حکموں کی علت ضرورت اور مخمصہ کی حالت ہے۔ جس طرح مخمصہ کی حالت میں شراب مباح ہو جاتی ہے اور حد ساقط ہو جاتی ہے۔ شراب کی اباحت اس بنا پر نہیں ہوتی کہ شراب سے شراب ہونے کے معنی زائل ہو جاتے ہیں۔ اگر سرقہ میں ہم غیر کے مال کی اباحت کو چوری کی حد ساقط ہونے کی علت قرار دیں تو غزوے کے موقع پر زنا یا قذف کی حد کے ساقط ہونے کی بھی یہ علت قرار دینا ہو گی حالانکہ ان صورتوں میں سقوط حد کی علت اباحت نہیں بلکہ مصلحت ہے۔ ساتھ ہی اس پر بھی توجہ کرنا ضروری ہے کہ اباحت کو علماء اصول نے احکام کے اقسام میں سے ایک پانچویں قسم قرار دیا ہے۔ جس سے واضح ہے کہ یہ حکم کی علت نہیں بلکہ بذاتِ خود ایک حکم ہے۔ جس طرح وجوب اور مسنون اور مندوب یا حرمت و کراہت احکام ہیں۔ چنانچہ علامہ شاطبی اپنی کتاب موافقات میں فرماتے ہیں:

والاحکام الشرعیۃ قسمان احدھما یرجع الی خطاب التکلیف والآخر یرجع الی خطاب الوضع فالاول ینحصر فی الخمسۃ فلنتکلم علی ما یتعلق بھا من المسائل وھی جملۃ (المسئلۃ الاولی فی المباح)[1]۔ احکام شرعیہ دو قسم پر ہیں، اوّل وہ جن کا تعلق خطاب تکلیفی سے ہے اور دوم وہ جن کا تعلق خطاب وضعی سے ہے، اوّل کی پانچ قسمیں ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ ان سے متعلقہ مسائل کو پہلے بیان کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ زیادہ اہم ہیں۔ اوّل مسئلہ مباح کا ہے۔

اسی طرح دیگر اصولیین نے اس کو احکام کے اقسام میں بیان کیا ہے نہ کہ علل کے اقسام میں۔ اسی وجہ سے علامہ شاطبی نے اپنی مذکورہ کتاب کے مقدمہ رابعہ میں فرمایا ہے کہ جو مسئلہ اصول فقہ میں مذکور ہو اور اس پر کسی فقہی فرع یا کسی شرعی ادب کی بنیاد نہ رکھی جا سکتی ہو اور کسی فرع یا مندوب کا معاون بھی نہ ہو تو اس مسئلہ کا اصول فقہ میں بیان کرنا دراصل طبعاً ہو گا۔ اس حیثیت سے نہ ہو گا کہ وہ اصول شرعیہ فقہیہ میں سے کوئی اصل ہے۔ چنانچہ یہ نہ خیال کیا جائے کہ جس شے کی طرف فقہ محتاج ہو گی، وہ فقہ کے اصول میں شمار کی جائے گی۔ بلکہ جو اصل فقہ کی طرف منسوب ہو اور فقہ اس پر مبنی نہ ہو تو وہ فقہ کا اصول نہ سمجھا جائے گا اور اس قاعدے کی بنا پر بہت سے ایسے مسائل ہیں جو علم اصول فقہ سے خارج ہیں اور متاخرین نے ان کو

---

[1] الموافقات جلد اوّل ص۵۶ مطبوعہ مصر

اصول فقہ میں بیان کیا ہے۔ مثلاً ابتداء وضع کا مسئلہ یا اباحت کا مسئلہ کہ اس کے ساتھ انسان مکلف ہے یا نہیں۔ یا امر معدوم کا مسئلہ یا یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم متعبد تھے یا نہ تھے۔ یا یہ کہ تکلیف فعل پر مبنی ہے وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ موصوف کی اصل عبارت یہ ہے:

فلیس کل ما یفتقر الیہ الفقہ یعد من اصولہ وانما اللازم ان کل اصل یضاف الی الفقہ لا ینبنی علیہ الفقہ فلیس باصل لہ وعلی ھذا یخرج عن اصول الفقہ کثیر من المسائل التی تکلم علیہا المتاخرین وادخلوھا فیہا کمسئلۃ ابتداء الوضع ومسئلۃ الاباحۃ ھل ھی تکلیف ام لا ومسئلۃ لا تکلیف الا بفعل الخ[1]

خلاصہ یہ کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصاً سرقہ کی حد کے سقوط میں وارد ہوئی ہے جیسا کہ صاحب مبسوط سرخسیؒ نے حضرت مکحول سے مرسل حدیث نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔ عن مکحول رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا قطع فی مجاعۃ مضطر[2] اور صاحب فتح القدیر نے غالباً بغیر حوالۂ سند اسی حدیث کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن فقہاء امت نے صرف حد سرقہ کے ساقط ہونے کے حکم پر کفایت نہیں فرمائی بلکہ دار حرب میں ہر قسم کی حد کے ساقط ہونے کا حکم دیا۔ جیسا کہ اوپر کی سطور میں ہم نے نقل کیا ہے نیز حضرت مالک بن انسؓ نے حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ اس طرح روایت کیا ہے۔ ان رقیقا لحاطب سرقوا ناقۃ الرجل من مزینۃ فانتحروھا فذلک فرفع الی عمر بن الخطابؓ فامر عمرؓ کثیر بن الصلت یقطع ایدیھم ثم قال عمر اراک تجیعھم ثم قال واللہ لاغرمنک غرما یشق علیک ثم قال للمزنی کم ثمن ناقتک؟ فقال المزنی قد کنت واللہ امنعہا من اربعمائۃ درھم فقال عمرؓ اعطہ ثمانمائۃ درھم[3] حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے غلاموں نے قبیلہ مزینہ کے ایک شخص کی اونٹنی چرالی اور اسے ذبح کر لیا۔ یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے کثیر بن صلت کو ان غلاموں کے ہاتھ قطع کر دینے کا حکم فرمایا۔ پھر فوراً بعد فرمایا۔ میرا خیال ہے کہ تم ان غلاموں کو بھوکا رکھتے ہو۔ پھر فرمایا واللہ میں اتنا جرمانہ کروں گا جس کا تمہارے لئے ادا کرنا ناگوار گزرے

---

[1] الموافقات جلد اول صہ ۱۵

[2] مبسوط صہ ۱۴۰ کتاب السرقۃ

[3] مؤطا جلد ۲ صہ ۱۲۴ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۲ء

پھر آپ نے مزنی سے فرمایا۔ تمہاری اونٹنی کی کیا قیمت تھی۔ مزنی نے عرض کیا میں نے اسے چار سو درہم میں حاصل کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے (حاطب) سے فرمایا (اس مزنی کو) آٹھ سو درہم ادا کرو (یعنی اونٹنی کی قیمت کے دوگنے)۱؎ اور المنتقی شرح مؤطا میں حاطبؓ کو حضرت عمرؓ کے خطاب کرتے وقت یہ الفاظ روایت کئے گئے ہیں۔ اما لولا انی اظنکم تستعملونھم وتجیعونھم حتی لو وجدوا ما حرم اللہ لاکلوا لقطعتھم ولکن واللہ اذ ترکتھم لاغرمنک غرامۃ توجعک ۱؎ یعنی آپ (حضرت عمرؓ) نے فرمایا اگر مجھے یہ گمان نہ ہوتا کہ تم ان غلاموں سے کام تو لیتے ہو لیکن ان کو پیٹ بھر کر کھانے کو نہیں دیتے حتیٰ کہ اگر ان کو قطعی حرام مل جائے تو بھوک کی بنا پر اس کو بھی استعمال کرنے سے اجتناب نہ کریں۔ تو میں ان کے ہاتھ کاٹتا اور جو میں ان کو چھوڑتا ہوں، تو میں تم پر اتنا جرمانہ کروں گا جس کا ادا کرنا تم پر دشوار ہو گا

مذکورہ اثر پر غور کرنے سے اولاً یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ واقعہ عام المجاعۃ کا نہیں ہے، بلکہ صرف حالت اضطرار اور حاجتِ ضروری کا ہے۔ ثانیاً یہ کہ حضرت عمرؓ نے بطورِ جرمانہ حاطب کو آٹھ سو درہم اونٹنی کی دوگنی قیمت ادا کرنے کا حکم فرمایا جس کی وجہ یہ تھی کہ ان غلاموں کو آقا کے فعل نے اس چوری کے عمل پر مجبور کیا تھا۔ اس طرح اصل جرم آقا کا تھا۔ اور فقہاء مابعد نے حضرت عمرؓ کے اس دوگنے جرمانے کے فعل کو اگرچہ اختیار نہیں کیا۔ لیکن حضرت عمرؓ کا یہ عمل اپنی جگہ قائم رہا۔ چنانچہ امام مالکؒ نے اس اثر کو روایت کرنے کے بعد فرمایا ہے: ولیس ھذا العمل عندنا فی تضعیف القیمۃ ولکن مضی امر الناس عندنا علی انہ انما یغرم الرجل قیمۃ البعیر اوالدابۃ یوم یاخذھا۔ اس طرح قیمت کو دوگنا کرنے پر ہمارے ہاں عمل نہیں ہے لیکن ہمارے اسلاف کا یہ دستور جاری رہا کہ آدمی سے اونٹ یا چوپائے کی صرف اصلی قیمت لی جائے گی، وہ قیمت بھی اس دن کے لحاظ سے جب جانور لیا گیا تھا۔

شاہ ولی اللہؒ نے اپنی شرح مسوی علی الموطا صـ۲۸۶ میں اس کے تحت لکھا ہے: (قلت) وعلی ما قال مالک اھل العلم ۲؎ میں کہتا ہوں کہ امام مالک کے قول پر ہی اہل علم متفق ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کا یہ عمل امرِ عام ہونے اور وقتی مصلحت کے تحت وجود میں آیا اور فقہاء صحابہ

۱؎ المنتقی شرح الموطا لابی الولید علی الباجی المتوفی عام (۴۷۴/۴۹۴) جلد ۶ صـ۹۵ مطبوعہ سعادت قاہرہ

۲؎ المسوّی جلد ۲ مطبوعہ سلفیہ مکہ ۱۳۵۳ھ صـ۲۸۶

نے اس سے انکار نہ کیا۔ اب آپ اس فعل کو صحیح کہیں یا نہ، کسی اصول کے تحت داخل کرنے کی کوشش کریں یا نہ کریں یہ عمل اپنی جگہ موجود رہے گا۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ استاذ و رئیس الشریعۃ الاسلامیہ کلیۃ الحقوق بالقاہرہ جامعہ عین الشمس اپنی کتاب تاریخ فقہ اسلامی ص۲۷ میں فرماتے ہیں:

ومن هذا الاثر نرىٰ ان الفاروق فهم من تشريع قطع يد السارق انه عقوبة رادعة لمن يرتكب هذه الجريمة من غير غاية حاجة تلجئهُ الى الاعتداء على مال الغير وحين تبين له ان هولاء الغلمة اضطروا لما اجترحوا بسبب ما نالهم من الجوع والحرمان لم يرىٰ ان يمضى عليهم حد السرقة ثم نظر فرائ المجنى عليه لاذنب له وان الذنب يرجع الى سيدهم الذى كان يستخدمهم ويجيعهم واذاً فمن العدل ان يغرم ما ضاع على المزنى المجنى عليه ورائ ان تضاعف قيمة ما صالح عليه تأديباً لحاطب۔ وكل هذا كان منه من غير نكير من الصحابة رضوان الله عليهم اجمعين وصنيعه هنا يشبه صنيعه فى عام المجاعة حين نهىٰ عن القطع كما هو معروف وهذ الحكم وذاك يؤكدان لنا ان الاحكام التشريعية شرعت لعلل تقتضيها ومقاصد تودى اليها اوترك ظاهره احيانا وهذ اما ادركه الصحابة ومن احتذ حذوهم رضى الله عنهم جميعا۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ فاروق رضی اللہ عنہ نے چور کا ہاتھ کاٹنے کی علت اس جرم سے باز رہنے کو قرار دیا تھا جبکہ لینے والے کو غیر کے مال پر دست اندازی کے لئے کوئی مجبوری کی حالت مجبور نہ کرے لیکن آپ پر یہ واضح ہو گیا کہ بھوک اور محرومی کے سبب سے یہ غلام اس فعل پر مجبور تھے کہ دوسرے کا مال لیں تو آپ نے ان پر حد جاری کرنا مناسب نہ خیال فرمایا پھر اس پر بھی آپ نے غور فرمایا کہ جس پر زیادتی ہوئی ہے، اس کا بھی اس میں قصور نہیں ہے بلکہ قصور ان کے آقا کا ہے جو ان سے خدمت لیکر ان کو بھوکا رکھتا تھا۔ اور اس صورت میں انصاف یہ تھا کہ اس مزنی شخص کی ضائع شدہ شے کی قیمت دلوا دی جائے اور یہ ضروری خیال کیا کہ حاطب رضؓ کو تنبیہ کے لئے قیمت کو دوگنا کر دیا جائے۔ اور یہ سب کچھ حضرت عمرؓ کی جانب سے دیگر تمام صحابہ کے سامنے واقع ہوا اور کسی نے آپ کے فعل کا انکار نہ کیا۔ چنانچہ آپ کا یہ عمل بھی اسی قحط سالی کے عمل کی مانند ہے کہ آپ نے قطع ید سے منع فرما دیا تھا اور یہ آپ کا فیصلہ ایک مشہور فیصلہ ہے۔ اس سے یہ یقین ہو گیا کہ تشریعی احکام ایسے علتوں پر مبنی ہوتے ہیں جو ان احکام کی مقتضی ہوتی ہیں اور ایسے مقاصد پر جو احکام تک

راہبری کرتے ہیں۔ اور ظاہر کے ترک کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اور یہی وہ چیز تھی جس کو صحابہ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے فقہاء نے (شریعت سے) سمجھا تھا۔

اسی طرح حضرت عمرؓ کا شراب پینے والے کی حد حضرت علیؓ کے مشورے سے اسّی کوڑے مقرر کرنا جو اب تک اسی طرح باقی ہے، نصوص احادیث کے خلاف تھا، اس لئے کہ احادیث میں یا تو ہاتھوں اور جوتوں سے مارنے کا ذکر ہے یا چالیس تازیانے مارنے کا، اس سے زائد کا کوئی ثبوت موجود نہیں لیکن اس نص کے موجود ہوتے ہوئے دلیل قیاسی سے اسی کوڑے کی حد مقرر کرنا نص کی مخالفت کی واضح دلیل ہے۔ لیکن ذرا سا غور کرنے کے بعد معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے مشورے کو کن وجوہ کی بنا پر ظاہر نصوص کے مقابلے میں قبول کیا۔ چنانچہ ان تمام روایات پر نظر ڈالنے سے جو اس سلسلہ میں روایت کی گئی ہیں، خصوصاً ابو داؤد اور موطا مالک و سنن بیہقی میں، یہ واضح ہوتا ہے کہ حسب ذیل امور اس تحدید کا موجب ہوئے۔

(۱) احادیث رسول سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضورؐ کے عہد میں اس بارے میں کوئی حد یا کسی خاص چیز سے حد جاری کیا جانا مقرر نہ تھا۔ (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی حد کے مقرر کرنے کا کوئی قصد نہ فرمایا تھا۔ (۳) حضرت عمر نے حضرت علیؓ کا مشورہ اسّی کی تحدید میں قبول فرمایا اور دیگر صحابہ نے اس کو مجموعی طور پر تسلیم کر لیا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ ان تمام حضرات کی نظر میں خمر کے استعمال پر حد جاری کرنے کی علت اس شخص کو اس فعل سے باز رکھنا تھا اور ان سب حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے یہی معنی اخذ کئے تھے۔ اس لئے کہ یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال اور اقوال کا خود مشاہدہ کرنے والے تھے۔ وہ آپؐ کی صحبت میں ہمہ وقت حاضر رہتے اور رسالت کی منشاء کے ہر پہلو پر نظر رکھتے۔ اس لئے ان حضرات نے اس عمل تحدید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قصد و ارادہ کے خلاف تصوّر نہ کیا بلکہ اس کو نص رسالت کے معنوی طور پر عین مطابق تصوّر فرمایا۔ اس بنا پر یہ تحدید کوئی جدید تشریع نہیں ہے۔ اگرچہ بادی النظر میں یہ سنت رسول صلعم کے مخالف نظر آئے۔ علی ہذا القیاس دیگر کثیر تعداد میں ایسے واقعات حضرت عمرؓ سے منقول ہیں جنہیں موجودہ اصول فقہ کے تحت لانے والے کو اپنی درماندگی کا اقرار کرنا پڑے گا۔ اور دور از قیاس رکیک تاویلات کا سہارا لینا پڑے گا

صحابہ کرام کے درمیان جس طرح مختلف علل و مصالح کے پیش نظر احکام میں تبدل و تغیّر کا عمل جاری تھا۔ اسی طرح حضرات تابعین کے ہاں بھی بغیر کسی فقہی اصول کی تخلیق و تدوین کے مصالحہ عامہ کے پیش نظر احکام منصوصہ

وغیر منصوصہ میں تغیر و تبدل وقوع پذیر ہوتا رہا۔ مثلاً بلا کسی تعدی کے مودع پر ضمان کا عائد کرنا، عورتوں کو نماز کے لئے مسجد جانے سے روک دینا۔ گرانی کے زمانہ میں حاکم کا نرخ مقرر کرنا جائز ہو جانا، بعض اقرباء کی شہادت بعض کے حق میں مردود ہونا، اور چور کی توبہ کا نہ قبول کیا جانا وغیرہ۔ چونکہ ان تمام مسائل کی تفصیل ایک طویل بحث کی طالب ہے اس لئے اس موقع پر اس کا بیان کرنا غیر مناسب ہے۔ اس لئے یہاں مختصراً اتنا گذارش کرنا کافی ہوگا کہ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے کچھ زمانے تک ان حضرات کا طریقہ مسائل شرعیہ کے احکام میں ان حضرات کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد یہ نظر آتا ہے کہ یہ حضرات تشریعی احکام میں اولاً کتاب اللہ و ثانیاً سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی سختی سے پابندی فرماتے اور جب تک قرآن و سنت سے کسی حادثہ کا حکم معلوم ہونے سے معذور نہ ہو جاتے۔ اس وقت تک قیاس اور رائے سے ہرگز کام نہ لیتے اور جب اجتہاد و رائے کا موقع پیش آتا تو پھر نصوص کی روشنی میں اس موقف کی تلاش کرتے جو عقل سلیم کے نزدیک ان نصوص سے مستخرج ہوتا اور ان تمام علل و مصالح کو پیش نظر رکھتے جو شریعت اسلامیہ نے اپنے احکام میں محوظ رکھی ہوتیں۔ غرض ان علل و مصالح و مقاصد کی تلاش ان حضرات کا اوّل فریضہ تھا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہہ لیجئے کہ ان حضرات کا ایمان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ عظیم حکمت والے نے جو احکام ہمارے لئے تجویز فرمائے ہیں وہ تمام تر ہماری مصلحتوں کے لئے ہیں، جن سے مقصود یا تو کسی خیر کا حصول یا کسی شر کا دفع کرنا ہے اور یہ انفرادی اور اجتماعی ہر دو نظام پر مشتمل ہیں۔ اس یقین کا طبعی نتیجہ یہ تھا کہ یہ حضرات ان علل و مقاصد کی اس حد تک جستجو کریں جو اس کا حق ہے تاکہ رونما ہونے والے واقعات میں شرعی حکم تک پہنچ سکیں۔ لیکن ان حضرات میں مذکورہ علل و مقاصد کے فہم کا ایک خاص ملکہ تھا جس سے یہ حضرات استفادہ فرمایا کرتے۔ کوئی قانون اصولی موجود نہ تھا، نہ اس کی طرف توجہ کی گئی تھی۔ اسی حالت کو شاہ ولی اللہؒ نے الانصاف فی بیان سبب الاختلاف میں بیان فرمایا ہے:۔

فرائی کل صحابی ما لیسرہ اللہ تعالیٰ لہ من عباداتہ وفتاواہ واقضیتہ فحفظھا و عقلھا وعرف لکل شیئ وجھا من قبل حفوف القرائن بہ فحمل بعضھا علی الاباحۃ و بعضھا علی الاستحباب وبعضھا علی النسخ لامارت وقرائن کانت کافیۃ عندہ ولم یکن العمدۃ عندھم الا وجدان الاطمینان والثلج من غیر التفات الی طرق الاستدلال کما تری الاعراب یفھمون مقصود الکلام فیما بینھم وتثلج صدورھم بالتصریح

اوالتلویح والایماء من حیث لا یشعرون [1]

اور یہی علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں فرمایا ہے۔ جیساکہ اوپر ذکر ہوچکا ہے اور آج اس عہد میں تمام ممالک اسلامیہ کے علماء مقنین بھی اسی پر عامل ہیں، چنانچہ ڈاکٹر محمدؐ یوسف موسیٰ استاذ الشریعۃ الاسلامیہ کلیۃ الحقوق جامعہ عین الشمس قاہرہ فرماتے ہیں: وکل ھذہ المباحث وغیرھا من مباحث ھذا العلم ونواحیہ المختلفۃ لم یکن السلف من الصحابۃ والتابعین بحاجۃ الیھا ولا الی قواعد وقوانین تحکیمھا وتبیین طرق استعمالھا والافادۃ منھا [2] یہ تمام مباحث اور اس کے علاوہ اس علم کے مباحث سلف ہیں سے صحابہ وتابعین ان کے محتاج نہ تھے اور نہ ان قواعد و قوانین کے فیصلے کے اور ان کے طریقہ واضح کرنے کے اور ان کے استعمال و افادہ کے محتاج تھے۔

چنانچہ جس طرح اصول فقہ کا جو اس وقت اصول کی کتب میں مدون ہیں، اس عہد میں کوئی وجود نہ تھا، اسی طرح عہد اولیٰ و ثانیہ میں کسی ایک مخصوص فقیہہ و مجتہد کے مذہب کی خاص طور پر پابندی بھی موجود نہ تھی بلکہ عوام میں جس شخص کو جو عالم میسّر آتا، اسی کی طرف رجوع کر لیا کرتا پھر کسی دوسرے وقت میں اگر کوئی واقعہ اس شخص کو پیش آتا اور کسی دوسرے فقیہہ سے دوچار ہونا پڑتا تو اس کے فتوی پر عمل پیرا ہوجاتا

---

[1] الانصاف مطبوعہ مصر ۱۳۲۷ھ ترجمہ سابق میں گزر چکا ہے۔

[2] تاریخ فقہ اسلامی محمدؐ یوسف موسیٰ صـ ۲۸۶